مطالعہ قرآن حکیم

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ الانعام

رکوع ۱۳

(ایک تقریر جو ۲ جولائی ۷۶ء کی شام کو ریڈیو پاکستان لاہور سے نشر کی گئی)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اَنّٰی یَکُوْنُ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ لَّہٗ صَاحِبَۃٌ ط
وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ ج وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○ ... اِلٰی قَوْلِہٖ تَعَالٰی: وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَھُمْ
وَاَبْصَارَھُمْ کَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِہٖٓ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ج وَّنَذَرُھُمْ فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ ○

سورۃ الانعام کے مجموعی مزاج کے مطابق اس کے تیرھویں رکوع کے آغاز میں بھی تین آیات میں توحیدِ باری تعالیٰ کا بیان بڑے پُرشکوہ انداز میں ہوا ہے اور ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کے ضمن میں بعض نہایت اہم نکات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ بقیہ سات آیات میں نبوّت و رسالت اور معاد و آخرت کا تذکرہ ہے اور خصوصیت کے ساتھ انسانوں کی ہدایت و ضلالت کے باب میں اللہ تعالیٰ کے قانون کی بھی بعض اہم دفعات بیان ہوئی ہیں اور لوگوں کی سعادت و شقاوت کے ذیل میں بھی بعض نہایت لطیف حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چنانچہ پہلی تین آیات میں فرمایا گیا:

"وہ آسمانوں اور زمین کو نیست سے ہست کرنے والا ہے۔ اُس کے اولاد کیسے ہو سکتی ہے جب کہ اُس کے کوئی بیوی ہی نہیں! ہر چیز اُس نے پیدا کی اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ یہ شان ہے اللہ کی جو تمہارا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر شے کا خالق، پس اُسی کی بندگی کرو۔ اور وہی ہے ہر چیز کا نگہبان و نگران۔ نگاہیں اس کے ادراک سے عاجز ہیں لیکن وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے اور وہ نہایت باریک بین بھی ہے اور حد درجہ باخبر بھی!"

اِن آیاتِ مبارکہ میں ایک تو شرک کی اُس سب سے زیادہ عُریاں اور گھناؤنی صورت کا ابطال

فرمایا گیا ہے جس کا ارتکاب خدا کے لیے بیٹے اور بیٹیاں مان کر کیا جاتا رہا ہے۔ جیسے بنی اسرائیل نے حضرت عُزیر علیہ السّلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا اور بنی اسمٰعیل نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دے دیا۔ اور سب سے بڑھ کر عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السّلام کو خُدا کا صُلبی بیٹا قرار دے ڈالا۔ عجیب بات ہے کہ ان سب نے خدا کے لیے بیٹے یا بیٹیاں تو مان لیں لیکن کسی کو اُس کی بیوی قرار نہیں دیا۔ یہاں اُن کی اسی بات سے اُن پر دلیل قائم کی گئی کہ جب خدا کے کوئی بیوی ہی نہیں ہے تو اُس کے اولاد کہاں سے ہوگئی!

دوسرے[۲] اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ وضاحت کی گئی کہ وہ اس کائنات کا مُوجِد و مُبدِع بھی ہے اور خالق و صانع بھی۔ 'اِبداع' کہتے ہیں کسی شے کو عدم سے وجود میں لانے یا نیستیءِ محض سے ہستی عطا کرنے کو ـــــ اور 'خلق' کہتے ہیں کسی پہلے سے موجود شے سے کوئی نئی شے بنانے کو، جیسے مٹی سے انسان اور آگ سے جنات کی تخلیق۔ الغرض جُملہ موجوداتِ عالم کا مُوجِد و مُبدِع بھی اللہ ہی ہے اور طبعی یا کیمیائی تبدیلیوں (Physical & Chemical Changes) سے جو نئی اشیاء ظہور پذیر ہو رہی ہیں ان سب کا خالق بھی اللہ ہی ہے۔

تیسرے[۳] یہ کہ ابداع اور خلق مستلزم ہیں اُس کے علیم و لطیف اور خبیر ہونے کو، اِس لیے کہ مُوجِد سے بڑھ کر اپنی ایجاد سے آگاہ اور کون ہو سکتا ہے۔ جیسے کہ فرمایا سورۃ الملک میں کہ اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَ ھُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ؕ (کیا پیدا کرنے والا بے خبر ہو سکتا ہے ؟ نہیں وہ تو نہایت باریک بین بھی ہے اور باخبر بھی!)

چوتھے[۴] یہ کہ اگرچہ نگاہیں اُس کے اِدراک سے عاجز ہیں تاہم بد دل ہونے کا کوئی مقام نہیں، اس لیے کہ وہ نگاہوں کے اِدراک سے عاجز نہیں ہے۔ تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو کیا ہوا، وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے جیسے کہ فرمایا آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے احسان کی وضاحت میں کہ "اَنۡ تَعۡبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنۡ لَّمۡ تَکُنۡ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ" (اُس کی عبادت ایسے کرو کہ گویا تم اُسے دیکھ رہے ہو۔ اس لیے کہ اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے۔)

پانچویں[۵] یہ کہ اُس توحیدِ علمی کا اصل نتیجہ توحیدِ عملی ـــــ یعنی 'توحید فی العبادت' ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ جب وہی تمہارا رب بھی ہے اور خالق بھی تو تمہیں خالصۃً اُسی کی بندگی کرنی چاہیے اور اُس کی بندگی میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہیے۔ بقولِ شاعر

زندگی آمد برائے بندگی　　زندگی بے بندگی شرمندگی

بعد کی سات آیات میں فرمایا:

"تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے وہ تمام باتیں آچکی ہیں جن سے حق پوری طرح روشن ہو گیا ہے، تو جس نے مشاہدہ کر لیا اُس نے اپنا ہی بھلا کیا، اور جو اندھا ہی بنا رہا تو اس کا سارا وبال اُسی پر ہے، اور مَیں تم میں سے کسی کا بھی ذرّہ برابر ذمّہ دار نہیں ہوں۔ اور اسی طرح ہم اپنی نشانیاں مختلف طریقوں سے واضح کرتے ہیں تاکہ ان کے پاس کوئی عذر نہ رہ جائے اور وہ خود پکار اٹھیں کہ تم نے سمجھانے کا حق ادا کر دیا اور تاکہ ہم پوری طرح وضاحت کر دیں ان کے لیے جو جاننا چاہتے ہوں۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) اس وحی کی پیروی کیے جاؤ جو تم پر تمہارے ربّ کی طرف سے ہو رہی ہے۔ معبودِ برحق تنہا وہی ہے، لہٰذا جو اُس کے ساتھ شرک کے مرتکب ہوں تم ان سے کنارہ کشی اختیار کر لو۔ اور اگر اللہ اُن پر جبر کرتا تو یہ ہرگز شرک نہ کر سکتے، اور تمہیں بھی ہم نے اُن پر نہ داروغہ بنایا ہے اور نہ ہی تم اُن کے ذمّہ دار ہو۔ اور (اے مسلمانو!) مت بُرا بھلا کہو اُن کو جنہیں یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، مبادا وہ بھی جہالت کے باعث تجاوز کر کے اللہ کو گالیاں دینے لگ جائیں۔ ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ ہم ہر گروہ کے لیے اُس کے اختیار کردہ عمل ہی کو خوشنما بنا دیتے ہیں، پھر تمہارے ربّ ہی کی جانب اِن سب کو لَوٹنا ہے، اُس وقت وہ اُن سب کو جتلا دے گا جو وہ کرتے رہے ہیں۔ اور وہ اللہ کی پکّی قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتے ہیں کہ اگر انہیں کوئی معجزہ دکھا دیا جائے تو وہ ضرور ایمان لے آئیں گے۔ کہہ دو! معجزے تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ یہ لوگ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اِس لیے کہ ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ جو لوگ حقیقت کے انکشافِ اوّل پر ایمان نہیں لاتے ہم اُن کے دلوں اور اُن کی نگاہوں کو اُلٹ دیتے ہیں اور انہیں چھوڑ دیتے ہیں کہ اپنی سرکشی (کے اندھیاروں) میں جس طرح چاہیں بھٹکتے رہیں!"

اِن آیاتِ مبارکہ میں جن عظیم حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے وہ مختصراً یہ ہیں:

۱۔ انسان پر اللہ تعالیٰ نے جبر نہیں کیا بلکہ اسے ارادے کی آزادی عطا فرمائی ہے، لہٰذا اس کی ہدایت و ضلالت اور سعادت و شقاوت میں اصل عمل دخل اس کی اپنی نیّت اور طلب کو حاصل ہے۔

اگر وہ خود ہی حق کا طالب اور متلاشی نہ ہو تو نہ کوئی عقلی دلیل اُسے قائل کر سکتی ہے نہ حسّی معجزہ!

۲۔ اگر کسی وقت انسان پر حق منکشف ہو جاتے اور اس کے دل و دماغ گواہی دے دیں کہ حق یہی ہے، پھر بھی وہ اپنی ضد یا عناد یا تعصّب یا مصلحت بینی کے باعث اُس سے رُوگردانی کرے تو اِسی دنیا میں اُسے نقد سزا یہ ملتی ہے کہ اُس سے قبولِ حق کی استعداد سلب کر لی جاتی ہے اور رفتہ رفتہ اُس کا اختیار کردہ غلط راستہ ہی اُس کی نگاہوں میں مزیّن ہوتا چلا جاتا ہے۔ اِسی کو قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر ختمِ قلوب اور طبعِ قلوب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۳۔ انبیاءِ کرام اور دوسرے داعیانِ حق کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ حق کو کماحقّہٗ واضح کر دیں۔ یہاں تک کہ لوگوں کے دل گواہی دے دیں کہ ایضاحِ حق میں کوئی کمی نہیں رہی۔ اس سے آگے لوگوں کو بالفعل ہدایت کی راہ پر لے آنا نہ کسی کے بس میں ہے، نہ کوئی اُس کا ذمہ دار اور مسئول ہے

۴۔ البتہ اس ابلاغ و تبلیغ میں غایت درجہ حکمت ملحوظ رہنی ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ غصّے اور جھلاہٹ میں داعیٔ حق بھی مخالفین کی سطح پر اُتر آئے اور ان کے معبودانِ باطل کو گالیاں دینی شروع کر دے۔ اس سے بجائے نفع کے اُلٹا نقصان ہونے کا اندیشہ ہے۔

۵۔ آخری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ داعیٔ حق لوگوں کے اعراض و انکار سے متأثر ہوئے بغیر خود اس حق پر پوری طرح کاربند رہے جس کی طرف وہ لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔ اس لیے کہ معرکۂ حق و باطل میں اصل فیصلہ کُن عامل داعیٔ حق کا صبر و ثبات ہی ہے۔ بقول علامہ اقبال :

دنیا کو ہے پھر معرکۂ رُوح و بدن پیش　　تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو اُبھارا
اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسہ　　ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

اس ضمن میں یہ وضاحت بھی کر دی گئی کہ منکرین اور مخالفین کے اعراض و انکار اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُن کی رسّی دراز کیے جانے پر دل گرفتہ ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے، آخر وہ بھاگ کر کہاں جائیں گے۔ چار و ناچار اِن سب کو اللہ ہی کے حضور پیش ہونا ہے، پھر وہ سب کو ان کے اعمال کے مناسب بدلہ دے گا۔ اہلِ حق کو قبول و اتباعِ حق اور اُس پر استقامت کی جزاء۔ اور منکرین اور مکذبین کو ان کے اعراض و انکار کی سزا!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝